نبوت ورسالت سے متعلق "تبیان الفرقان" کے کلامی مباحث کا جائزہ

*حافظ شوکت علی

**سعید احمد سعیدی

Abstract

The most dominated and respectful creature among all are the human beings. The best among the humans are those who are selected by the ALLAH Almighty to deliver his message to the masses. Their qualities, knowledge and other aspects are different from other human beings . They are prophets and belief on all the prophets is the part of faith. Disbelievers refuse the status of prophecy by sayings there is no need of prophets to make a connection with God. On the other hand, prophet's divine revelation is the message of creator that is for both life and hereafter. Its dignity and purity still meaningful for the humanity to achieve success in every field of life. This paper compiles the concepts of prophecy and its different aspect and also presents content which is denying the beliefs of disbelievers with reference to Tibyan ul Furqan.

اسلامی عقائد میں عقیدہ رسالت نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ حتی کہ کوئی شخص رسول کو مانے بغیر خدا کو مان لے تو اس کا یہ ایمان مقبول نہیں ہے۔ اگر مقام رسالت کی ادنیٰ سی بے ادبی ہو جائے تو عمر بھر کی کمائی ہوئی نیکیاں اکارت ہو جاتی ہیں اور اگر کوئی شخص کمالات رسالت کو بڑھا کر الوہیت کی جگہ پر لے آئے تو وہ ورطہ شرک میں گر جاتا ہے۔ الحاد اور دہریت نے آج یہ شبہات پیدا کر دیے ہیں کہ نبی کی کیا ضرورت ہے، وصال خدا تو اس کے بغیر بھی ہو سکتا ہے۔ بعض لوگوں نے یہ کہہ دیا کہ رسول کی حیثیت ایک مرکزِ ملت اور سربراہ مملکت سے زیادہ نہیں ہے۔ اس لیے اس کے اقوال اور افعال قیامت تک باقی رہنے والے قوانین کی اساس نہیں ہو سکتے۔ بعض لوگوں نے یہ کہا کہ رسول ہماری طرح ایک عام انسان تھے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ان پر وحی آتی تھی۔ الغرض ایسی بہت سی باتیں ہیں جو منکرین رسالت کی طرف سے کہی جاتی ہیں۔ اس آرٹیکل میں ان چند چیزوں کا جائزہ تبیان الفرقان کی روشنی میں لیا جائے گا لیکن اس سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ نبوت کا معنیٰ و مفہوم کیا ہے۔

نبوت کی لغوی تعریف

صاحب لسان العرب لفظ "نبی" کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کے ماخذ اشتقاق کے متعلق اہل لغت کے تین اقوال ہیں۔

---

* ریسرچ اسکالر مجلس الادراک العلمی ٹرسٹ، لاہور (رجسٹرڈ)

** اسسٹنٹ پروفیسر ادارہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور

1۔ یہ نَبَأٌ سے مشتق ہے۔
2۔ یا نَبْوَۃٌ سے۔
3۔ یا نَبَاوَۃٌ سے مشتق ہے۔

پہلے قول کے مطابق نبیؐ بروزن فَعِیْلٌ بمعنی مُفْعِلٌ مُخْبِرٌ ہو گا یعنی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دینے والا ہو۔ اور اگر اس کا مادہ اشتقاق نَبْوَۃٌ یا نَبَاوَۃٌ ہو تو اس کا معنی ہے "بلند یا اونچی چیز" کیونکہ نبی دوسروں سے ہر لحاظ سے ارفع و اعلیٰ ہوتا ہے۔ اس لیے اسے نبی کہتے ہیں۔[1]

لیکن علامہ راغب اصفہانی نے اس پر مزید تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نَبَأٌ ہر خبر کو نہیں کہا جاتا بلکہ صرف اس خبر کو کہتے ہیں جس میں یہ تین اوصاف ہوں۔

1- فائدہ مند ہو
2- اہم اور عظیم ہو
3- اور ایسی ہو کہ اس کے سننے سے علم یا کم از کم غلبہ ظن حاصل ہو

اس لفظ پر تفصیلی بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ نبوت اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان پیغام رسانی کو کہتے ہیں۔ جس سے ان کی دنیا اور عقبیٰ کی بیماریاں دور ہوتی ہیں۔ اور نبی کیونکہ ایسی باتوں سے آگاہ کرتا ہے جس سے عقل سلیم کو تسکین ہوتی ہے اس لیے یہ فاعل اور مفعول دونوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔[2]

نبی کا اصطلاحی معنیٰ

اصطلاح شرح میں نبی اس انسان کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کی تبلیغ کے لیے مخلوق کے پاس بھیجا ہو اور اس کی تائید معجزہ سے فرمائی ہو۔ ہر نبی کے لیے معجزہ ضروری ہے۔ یہاں پر علماء اصول نے نبی اور رسول میں فرق کیا ہے۔

نبی اس انسان کو کہتے ہیں جس پر وحی اترے خواہ وہ صاحب کتاب ہو یا نہ ہو اور رسول وہ شخص ہے جو کتاب اور وحی دونوں کا حامل ہو۔ اس جگہ ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ فرشتہ نبی کے پاس جب وحی لے کر آتا ہے تو نبی کو کیسے یقین ہوتا ہے کہ یہ فرشتہ ہے شیطان نہیں ہے۔ امام رازی نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ جس طرح نبی اپنے صدق کے اظہار کے لیے امت کے سامنے معجزہ پیش کرتا ہے، اسی طرح جب فرشتہ نبی کے پاس وحی لے کر آتا ہے تو وہ بھی اپنے صدق کو ظاہر کرنے کے لیے نبی کے سامنے معجزہ لاتا ہے اور حق یہ ہے

کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک وصف دیا ہے جس کی وجہ سے ہم ایک انسان اور جانور کے درمیان فرق کر لیتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نبی کو اس وصف کے ساتھ ایک اور وصف بھی دیا ہے جس سے اس کے نزدیک ملائکہ اور شیاطین میں امتیاز ہو جاتا ہے۔[3]

نبوت ورسالت کی ضرورت

ایمان والوں اور اطاعت والوں کو جنت اور ثواب کی خوشخبری دینا اور کفر کرنے والوں اور نافرمانی کرنے والوں کو دوزخ اور عذاب سے ڈرانا۔ کیونکہ ثواب وعذاب کی خبر نبیوں کے بتانے سے ہوتی ہے اور یہی انبیاء ورسل کے بھیجنے میں بڑی حکمت ہے کہ وہ انسانوں تک اللہ کا پیغام پہنچائیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کرائیں۔ تاکہ قیامت کے دن کسی کا یہ بہانہ نہ رہے کہ ہم تک تو اللہ تعالیٰ کا حکم سنانے والا نہیں آیا۔ ہم کیسے ایمان لاتے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے۔ لہٰذا اس حجت کو ختم کرنے کی خاطر رسول معبوث فرمائے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ[4]

"(بھیجے ہم نے یہ سارے) رسول خوشخبری دینے کے لئے اور ڈرانے کے لئے تاکہ نہ رہے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عذر رسولوں کے (آنے کے) بعد۔"[5]

انسان حواس وخرد کا مالک ہے۔ نظر وفکر کی استعداد رکھتا ہے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کے احکام کی معرفت میں قدم قدم پر رسول کا محتاج ہے۔ فلاح آخرت تو دور کی بات ہے دنیا میں بھی صالح حیات کا کوئی لمحہ اعانتِ وحی کے بغیر میسر نہیں ہو سکتا۔ علماء اسلام نے ضرورت نبوت پر متعدد دلائل فراہم کیے ہیں۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

1- واقعات عالم اس حقیقت پر گواہ ہیں کہ جن لوگوں نے انبیاء کے بغیر خالق کو تلاش کیا وہ مظاہر پرستی کا شکار ہو گئے۔ کسی نے آگ کی پوجا کی تو کسی نے گاؤ ماتا کی، کوئی بت پرستی کا شکار ہوا اور کوئی کواکب پرستی کا۔

لہٰذا تاریخ اور تجربے سے یہ بات ثابت ہے کہ نبی کے بغیر انسان خدا پرستی کا صحیح تصور نہیں پا سکتا۔

2- اللہ تعالیٰ کی ذات مبدا فیاض ہے اور انسان اکتساب فیض کرنے والا ہے اور افادہ واستفادہ کے لیے ضروری ہے کہ مفید اور مستفید کے درمیان کوئی نہ کوئی مناسبت ہو۔ جب کہ واجب اور ممکن، قدیم اور حادث کے درمیان کسی قسم کی کوئی مناسبت نہ تھی تو افادہ اور استفادہ کیسے ہو سکتا تھا۔ فیض دینے والا خالق و قادر اور لینے والا مخلوق وعاجز تھا تو اس کی رحمت نے چاہا کہ ایک ایسی مخلوق

پیدا کرے جو عام بندوں اور خدا کے درمیان برزخ کی شان رکھتی ہو۔ جس کی ایک صفت اللہ سے واصل اور دوسری بندوں میں شامل ہو۔ تاکہ وہ پہلی حیثیت سے خدا سے فیض لے اور دوسری حیثیت سے بندوں کو فیض دے اور اس مخلوق کا نام اس نے نبی اور رسول رکھا۔

3- اللہ تعالیٰ نے آنکھ کو دیکھنے کے لیے پیدا فرمایا ہے لیکن یہ آنکھ اس وقت تک کسی چیز کو نہیں دیکھ سکتی جب تک کہ خارجی نور اس کا معاون نہ ہو۔ اسی طرح عقل کو اللہ تعالیٰ نے معرفت ذات کے لیے پیدا فرمایا ہے لیکن عقل اس وقت تک ذاتِ الٰہی کی معرفت نہیں پا سکتی جب تک کہ آفتابِ نبوت اس کا معاون نہ ہو۔

4- بسا اوقات حواس غلطی کر جاتے ہیں مثلاً متحرک سواری میں بیٹھے شخص کو درخت دوڑتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ حواس کی ایسی غلطیوں کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا لیکن بعض اوقات عقل بھی مغالطہ کھا جاتی ہے۔ لہٰذا ضروری تھا کہ عقل کی اصلاح کے لیے بھی کسی ھادی کو پیدا کیا جاتا اور جو حقیقت عقل کی اصلاح کرنے والی ہے وہی نبوت ہے۔

5- اگر اللہ تعالیٰ فقط کتاب نازل کر دیتا اور نبی پیدا نہ کرتا تو عرفانِ ذات کے لیے یہ بھی ناکافی تھا کیونکہ کتاب فقط احکام کا علم دیتی ہے اس کی تشریح نہیں کرتی۔ نبی کے بغیر انسانی عقل ٹھوکریں کھاتی پھرتی۔ پس اللہ تعالیٰ نے نبی بھیج کر عقل انسانی پر کرم فرمایا کہ وہ احکام کی تشریح نبوت کی زبان سے پا سکے۔

6- اگر ہمارے سامنے صرف احکام ہوتے تو ممکن تھا کہ کوئی شخص یہ کہہ دیتا کہ یہ احکام انسان کے لیے قابل عمل نہیں اس لیے نبی ان احکام پر عمل کر کے ہمیں بتاتا ہے کہ یہ احکام دشوار نہیں قابلِ عمل ہیں۔ وجود نبوت کے بغیر ان احکام کے لائق عمل ہونے کی کوئی سند نہیں۔[6]

بعثتِ انبیاء کی حکمتیں

انبیاء و رسل کا بھیجنا محض اللہ تعالیٰ کا بندوں پر لطف و احسان اور رحمت ہوتی ہے اور اس کی بے شمار حکمتیں ہیں۔ بعض حکمتیں حسبِ ذیل ہیں:

1- بعض احکام انسان کی عقل سے ماوراء ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا وجود، اسکی وحدانیت، اس کا علم، اسکی قدرت وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ رسولوں کو بھیج کر اپنے بندوں کی ان امور کی طرف رہنمائی فرماتا ہے۔

2- اللہ تعالیٰ کا دکھائی دینا، اللہ تعالیٰ کا کلام اور قیامت کے بعد جزا و سزا کا عمل، عقل از خود ان کو

معلوم نہیں کر سکتی۔ اس وجہ سے ان امور کی تعلیم کے لیے رسولوں کو بھیجا۔

3- ایک ہی کام بعض اوقات میں اچھا اور بعض اوقات میں بُرا ہوتا ہے۔ مثلاً طلوع و غروب اور زوال شمس کے وقت نماز پڑھنا بُرا ہوتا ہے اور باقی اوقات میں اچھا ہوتا ہے۔ یا بعض افراد کے اعتبار سے ایک کام اچھا اور بعض کے اعتبار سے بُرا ہوتا ہے۔ جیسے کافر حربی کو قتل کرنا اچھا ہے اور مومن یا کافر ذمی کو قتل کرنا بُرا ہے۔ اور یہ فرق نبی کے علاوہ اور کوئی نہیں بتا سکتا۔

4- نیکی پر ابھارنے کے لیے نیکوکار کے ثواب کی تفصیل اور بدی سے بچانے کے لیے بدی کے عذاب کی خبر بھی صرف نبی ہی بیان کر سکتا ہے۔

5- ایک فرد، ایک خاندان اور ایک ملک کے حقوق اور فرائض کا تعین بھی ایک نبی ہی کر سکتا ہے۔

6- مختلف غذاؤں کے فوائد اور نقصانات بیان کرنا بھی صرف نبی کا کام ہے۔

7- نبی کو دنیا میں بھیج کر اللہ تعالیٰ بندوں پر اپنی حجت پوری کرتا ہے تاکہ قیامت کے دن کوئی شخص یہ نہ کہہ سکے کہ ہم اس لیے گمراہ ہو گئے کہ ہمیں کوئی بتانے والا نہیں تھا۔[7]

انبیاء کرامؑ جسمانی اور روحانی کمالات کے اعتبار سے انسانیت کے اعلیٰ ترین افراد ہوتے ہیں۔ انبیاء کی حقیقت عام لوگوں سے مختلف ہوتی ہے۔ نبی کی حقیقت کو نبی کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں جان سکتا۔ اللہ تعالیٰ نبی کی آنکھوں میں ایسی صفت رکھتا ہے جس سے وہ غیب و شہادت کو دیکھ سکے۔ اس کے دل کو ایسی استعداد عطا کرتا ہے جس سے وہ بار وحی کا متحمل ہو سکے اور اس کی فکر کو وہ جرات دیتا ہے جس سے وہ صفات الٰہیہ پر کمند پھینک سکے۔ انبیاء کے حواس ظاہری، باطنی عام لوگوں سے کہیں زیادہ طاقتور ہوتے ہیں۔ نبی کے خواص میں سے یہ بھی ہے کہ وہ قوانین کا واضع ہی نہیں ہوتا بلکہ ان قوانین کو نافذ کرتا ہے۔ اس کی نگاہ سے مزاج بدل جاتے ہیں، فطرتیں پلٹ جاتی ہیں۔ وہ راہزنوں کو راہبر اور خائنوں کو امانتدار اور بت پرستوں کو بت شکن بنا دیتا ہے۔ شر بھی نبی کے دامن میں آکر خیر بن جاتا ہے۔ دریا اس کے لیے راستہ چھوڑ دیتے ہیں اور درخت اس کے حکم سے جڑوں سمیت دوڑے چلے آتے ہیں۔

انہی خصائص نبوت کو مد نظر رکھتے ہوئے علماء اسلام نے نبوت کی کچھ شرائط بیان کی ہیں۔

نبوت کی شرائط

1- نبی کا مذکر ہونا شرط ہے کیونکہ مؤنث ہونا نقص ہے۔

2- عقل اور خلقت کے اعتبار سے نبی اپنے زمانہ میں سب سے کامل ہو۔ لیکن یہ کمال بعثت کے وقت

ضروری ہے کیونکہ بعثت سے پہلے حضرت موسیٰؑ کی زبان میں لکنت تھی۔ تو انہوں نے بعثت کے وقت لکنت کے ازالہ کی دعا کی۔

3- ذہانت اور رائے کی اصابت اور قوت کے اعتبار سے وہ سب سے کامل ہو کیونکہ نبی پوری قوم کے معاملات کا منتظم اور انکی مشکلات کا مرجع ہوتا ہے۔

4- نبی کے آباء میں کوئی ایسا وصف نہ ہو جن کی وجہ سے ان کو حقیر جانا جاتا ہو اور اسکی ماں کی عفت اور پارسائی پر تہمت نہ ہو۔

5- نبی کا دل سخت نہ ہو کیونکہ انسان کے باقی جسم کی سلامتی کا مدار اس کے دل پر ہے۔

6- نبی میں کوئی ایسا جسمانی عیب یا بیماری نہ ہو جس سے لوگ متنفر ہوتے ہوں۔ جیسے برص اور جذام وغیرہ۔

7- وہ وقار کے خلاف اور کوئی معیوب کام نہ کرتا ہو۔

8- نبی کسی ایسے پیشے سے منسلک نہ ہو جو لوگوں کی نظروں میں معیوب سمجھے جاتے ہوں۔

9- نبی نبوت سے پہلے اور بعد میں کفر سے بالاجماع معصوم ہو۔

10- نبی کے صدق کو ظاہر کرنے کے لیے اس کے پاس معجزہ ہو۔[8]

انبیاء کی پہچان

علامہ عبد الرحمٰن ابن خلدون نے اپنی معرکہ الآرا کتاب ”مقدمہ تاریخ ابن خلدون“ میں نبوت کی پہچان کی کچھ علامات ذکر کی ہیں، وہ لکھتے ہیں:

نبی کی پہلی علامت

انبیاء کی ایک علامت یہ ہے کہ وحی سے قبل ان کے اخلاق اچھے اور پاکیزہ ہوتے ہیں اور ہر طرح کی بُری باتوں سے اور تمام گندگیوں سے کنارہ کش رہا کرتے ہیں۔ عصمت انبیاء کے یہی معنیٰ ہیں گویا وہ طبعی اور فطری طور پر برائیوں سے کنارہ کش اور متنفر رہتے ہیں گویا برائیاں انکی فطرت کے خلاف ہیں۔
ایک دفعہ آپ ﷺ کو شادی کے ولیمہ میں بلایا گیا جہاں شادی سے متعلق لہو ولعب تھا۔ آپ ﷺ پر نیند طاری ہو گئی اور آپ ﷺ سورج کے طلوع ہونے تک سوتے رہے اور لہو ولعب سے قطعی بے خبر رہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس سے محفوظ فرمایا۔ کھانے پینے میں آپ ﷺ کا یہ حال تھا کہ آپ ﷺ مکروہ کھانوں سے بچا کرتے اور آپ ﷺ پیاز ولہسن کے قریب بھی نہ جاتے جب آپ ﷺ

سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا:

"میں ان سے باتیں کرتا ہوں جن سے تم باتیں نہیں کرتے۔"

دوسری علامت

دوسری علامت یہ ہے کہ وہ لوگوں کو نیکی اور عبادت کی طرف بلاتے ہیں اسی نشانی سے حضرت خدیجہ نے آپ ﷺ کی تصدیق فرمائی۔

شاہ روم ہرقل نے بھی آپ ﷺ کی عصمت اور دین وعبادت کی طرف دعوت کو صحت نبوت کی دلیل قرار دیتے ہوئے آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی۔

تیسری علامت

انبیاء کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ وہ طاقتور خاندان میں بھیجے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ

"اللہ تعالیٰ ہر نبی کو اس قوم میں معبوث فرماتا ہے جو طاقتور ہو۔"

چوتھی علامت

ایک پہچان انکی یہ بھی ہے کہ ان سے معجزوں کا ظہور ہوتا ہے جو ان کی صداقت کی دلیل ہیں۔[9]

علامہ سعیدی نبوت کی پہچان کی انہی علامات میں سے ایک علامت یعنی اخلاق وکردار سے آپ ﷺ کی رسالت کے برحق ہونے پر استدلال کرتے ہوئے سورۃ المؤمنون کی آیت نمبر 69 کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ[10]

"یا انہوں نے اپنے رسول (مکرم) کو نہ پہچانا تھا اس لیے وہ اس کے منکر بنے رہے۔"

پھر اللہ تعالیٰ نے دوسرے طریقہ سے ان کو زجر وتوبیخ فرمائی کہ کیا یہ حضرت محمد ﷺ کو نہیں پہچانتے اور ان کے صدق اور ان کی امانت کو اور ان کے حسن اخلاق کو، ان کے کمال علم کو نہیں جانتے حالانکہ انہوں نے کسی سے علم حاصل نہیں کیا۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں:

"کیا انہوں نے حضرت محمد ﷺ کو بچپن میں اور جوانی میں نہیں دیکھا اور کیا وہ آپ ﷺ کے نسب کو نہیں پہچانتے تھے اور آپ ﷺ کے صدق کو اور آپ ﷺ کی امانتداری کو نہیں جانتے؟"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار ومشرکین کو زجر وتوبیخ کی ہے کہ وہ آپ ﷺ کے صدق اور امانت کو پہچاننے کے باوجود آپ ﷺ سے کیوں اعراض کرتے ہیں۔[11]

انبیاء کرام کا عام انسانوں کی مثل نہ ہونا

انبیاء کرام بظاہر عام انسانوں کی طرح کھاتے پیتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے اور کام کاج کرتے ہیں۔ لیکن کوئی بھی شخص وجودی وصف میں ان کا مماثل نہیں ہو سکتا۔ نہ کسی کی آنکھیں انکی آنکھوں جیسی ہو سکتی ہیں نہ کسی کے کان ان جیسے ہو سکتے ہیں نہ کسی کی زبان ان جیسی پُر تاثیر ہو سکتی ہے نہ کسی کا دل ان کے دل جیسا مخزن معرفت ہو سکتا ہے۔ کیونکہ نہ تو کوئی عام شخص ان جیسی نظر رکھتا ہے نہ ان جیسی قوت سماعت رکھتا ہے نہ ان جیسی معرفت الٰہیہ رکھتا ہے۔

اسی بات کو بیان کرتے ہوئے علامہ سعیدی سورۃ الانعام کی آیت نمبر 38 کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

> "منکرین کمالاتِ رسالت کہتے ہیں؛ فضائل اور خصوصیات کی بات چھوڑو، یہ ٹھیک ہے کہ ہم اپنی آنکھوں سے ان چیزوں کو نہیں دیکھ سکتے جن چیزوں کو رسول اللہ ﷺ اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے اور ہم اپنے ہاتھوں پیروں اور زبان سے وہ تصرف نہیں کر سکتے جو رسول اللہ ﷺ اپنے اعضاء سے تصرف فرماتے تھے۔ لیکن اس چیز میں جو رسول اللہ ﷺ ہمارے مماثل ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی دو آنکھیں تھیں ہماری بھی دو آنکھیں ہیں۔ آپ ﷺ کے دو ہاتھ تھے ہمارے بھی دو ہاتھ ہیں، آپ ﷺ کے بھی دو پیر تھے ہمارے بھی دو پیر ہیں۔ لہٰذا واضح ہوا کہ رسول اللہ ﷺ ہماری مثل ہیں۔
>
> میں اس کے جواب میں یہ کہتا ہوں کہ اس طرح تو کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ تمہاری بھی دو آنکھیں ہیں اور کتے اور خنزیر کی بھی دو آنکھیں ہیں، تمہاری بھی ایک زبان ہے اور کتے اور خنزیر کی بھی ایک زبان ہے۔ تو کیا یہ کہنا درست ہو گا کہ تم کتے اور خنزیر کی مثل ہو؟ اور اگر تم یہ کہو کہ اس میں تمہاری توہین ہے تو جب تم رسول اللہ ﷺ کو اپنے جیسے عام آدمی کے مماثل قرار دو تو کیا اس میں رسول اللہ ﷺ کی توہین نہیں ہو گی۔ جب کہ جتنی تمہیں کتے اور خنزیر پر فضیلت ہے اس سے کہیں زیادہ رسول اللہ ﷺ کو تم پر فضیلت حاصل ہے۔
>
> قرآن مجید میں ہمارے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی جس مماثلث کا ذکر کیا گیا ہے یہ عدمی وصف میں مماثلث ہے یعنی جس طرح تم خدا نہیں ہو اور معبود اور مستحق عبادت نہیں ہو اسی طرح رسول اللہ ﷺ بھی خدا نہیں ہیں۔ لہٰذا اس چیز میں آپ ﷺ ہمارے مماثل ہیں کہ ہمارا بھی خدا ایک ہے اور آپ ﷺ کا خدا بھی ایک ہے اور کوئی شخص بھی کسی

وجودی وصف میں رسول اللہ ﷺ کی مثل نہیں ہے"[12]

عصمتِ انبیاء کرامؑ

تمام انبیاء کرام گناہوں سے پاک، سچے اور خدا کی طرف سے احکام پہنچانے والے تھے۔ وہ اپنے منصب نبوت سے کبھی معزول نہیں ہوئے۔ جو کچھ بھی پیغمبروں نے کہا سچ کہا اور جو کچھ وہ لائے وہ اللہ کی طرف سے لائے۔ وہ گناہوں سے پاک تھے، ان کا ہر دعویٰ معجزہ سے ثابت ہوتا رہا۔ انہوں نے جو کچھ بھی کہا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہا۔ انبیاء کرام اگر جھوٹ بولیں تو ان کے دنیا میں بھیجنے کی حکمت باطل ہو جائے اور اگر وہ خود ہی گناہ میں ملوث ہو جائیں تو مخلوق خدا ان سے نفرت کرنے لگے۔ نصیحت و ارشاد کے سر چشمے بند ہو جائیں۔ چنانچہ انبیاء کرامؑ جھوٹ اور گناہ کبیرہ سے معصوم ہوتے ہیں۔ نہ ان سے قصداً گناہ سرزد ہوتا ہے اور نہ ہی بھولے سے۔

زُلات الانبیاء اور جمہور اہل سنت کا عقیدہ

شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی اپنی کتاب تکمیل الایمان میں رقمطراز ہیں:

"جمہور اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انبیاء کرام سے عموماً یا سہواً گناہِ کبیرہ اور صغیرہ سرزد نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ بات ان کے مناصب جلیلہ کو زیب دیتی ہے۔ مدینہ کے بعض علماء اور محدثین نے قصیدہ امالہ کی شرح میں یوں بیان کیا ہے کہ انبیاء کرام سے احکامِ الٰہی کے پہنچانے اور رسالت کے متعلق امور کو سرانجام دینے میں ذرہ برابر بھی کوتاہی نہیں ہوتی۔ ان کے علاوہ بعض صغیر معاملات میں سہو سرزد ہو جائے تو تعجب کی بات نہیں چنانچہ سجود سہو کے باب میں مذکور ہے کہ انبیاء کرام سے جو خطائیں اور لغزشیں منسوب ہیں بعض تو ان میں سے صحیح ہیں اور بعض صحیح نہیں ہیں اور ان کی تاویلیں کتابوں میں موجود ہیں ان کی ظاہری صورت پر اعتقاد نہیں کرنا چاہیے۔"[13]

زُلات الانبیاء پر علامہ سعیدی کی تصریح

علامہ سعیدی اس حوالے سے سورۃ بقرہ کی آیت نمبر 35 کی تفسیر میں پہلے عصمتِ ابنیاء پر مشاہیر اہل سنت کی تصریحات نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی عصمت کی تعریف میں لکھتے ہیں:

"عصمت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ میں اس کی قدرت اور اختیار کے باوجود اس میں کوئی گناہ پیدا نہیں فرماتا کیونکہ اگر بندہ سے گناہ کا صدور محال ہو تو پھر اس کو گناہوں

کے ترک کرنے کے ساتھ مکلف کرنا صحیح نہیں ہو گا اور نہ گناہوں کے ترک کرنے کی وجہ سے وہ دنیا میں تعریف اور تحسین کا مستحق ہو گا اور نہ آخرت میں وہ اجر و ثواب کا سزاوار ہو گا۔"[14]

علامہ سعد الدین تفتازانی لکھتے ہیں:

"ہمارا مذہب یہ ہے کہ انبیاء کرام اعلان نبوت کے بعد گناہ صغیرہ مطلقاً نہیں کرتے اور صغائر عمداً نہیں کرتے۔ البتہ ان سے سہواً صغیرہ کا صدور ہو جاتا ہے لیکن وہ اس پر اصرار نہیں کرتے اور نہ وہ اس پر برقرار رکھے جاتے ہیں بلکہ ان کو تنبیہ کی جاتی ہے اور وہ متنبہ ہو جاتے ہیں۔"[15]

امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں:

"ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ انبیاء سے زمانہ نبوت میں یقینی طور پر کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا۔ کبیرہ نہ صغیرہ۔"[16]

اس کے بعد علامہ سعیدی عصمتِ انبیاء پر اعتراض کرنے والوں کے جواب میں لکھتے ہیں:

"بعض گمراہ لوگ حضرت آدمؑ کے شجر ممنوع کو کھانے سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ انبیاء سے بھی گناہ سرزد ہو جاتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کا شجر ممنوعہ سے کھانا اس وقت گناہ ہوتا جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے قصد سے اس کا پھل کھایا ہوتا۔ جب کہ حضرت آدمؑ نے یا تو اجتہادی خطا سے یہ پھل کھایا تھا کہ انہوں نے یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے تنزیہاً منع فرمایا ہے نہ کہ تحریماً۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے تحریماً منع فرمایا تھا۔"

دوسری اجتہادی خطا یہ تھی کہ انہوں نے یہ سمجھا کہ جس معین درخت کی طرف اشارہ کر کے اللہ تعالیٰ نے اس کا پھل کھانے سے منع فرمایا ہے اس معین درخت سے کھانا ممنوع ہے اگر اس نوع کے کسی اور درخت سے کھا لیا تو ممنوع نہیں ہو گا۔ اور یہ آدمؑ کی اجتہادی خطا تھی اور اجتہادی خطا پر بھی بندہ کو ایک اجر ملتا ہے۔ لہٰذا آدمؑ اس ممنوعہ پھل کے کھانے پر ماجور ہوئے۔

اگر یہ کہا جائے کہ پھر ان کو سزا کیوں ہوئی اور ان کا لباس کیوں اترا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پھل کے کھانے میں یہ تاثیر رکھی تھی کہ جو اس پھل کو کھائے گا اس کا لباس اتر جائے گا۔ اور یہ ایسا ہے کہ جیسے زہر کھانے میں اللہ تعالیٰ نے تاثیر رکھی ہے کہ جو بھی زہر کھائے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ اس لیے ان کا لباس اترنا کسی سزا کے نتیجے میں نہیں تھا بلکہ اس پھل کے

کھانے میں یہ تاثیر تھی۔

اگر یہ کہا جائے کہ اگر حضرت آدمؑ نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا تو پھر ان کو جنت سے نکال کر زمین کی طرف کیوں بھیجا گیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آدمؑ نے بہر حال زمین پر آنا تھا کیونکہ ان کو زمین ہی کی خلافت کے لیے پیدا فرمایا گیا تھا۔

اگر یہ کہا جائے کہ شیطان آدمؑ کو جنت سے نکلوا کر کامیاب ہو گیا اور آدمؑ ناکام ہو گئے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ آدمؑ کی پشت میں قیامت تک کی ان کی ساری اولاد موجود تھی۔ ان میں سے نیکو کار بھی تھے۔ انبیاء اور اولیاء کرام تھے، متقین اور صدیقین بھی تھے اور ان میں شیطان کے پیرو کار، اللہ کے نافرمان اور باغی بھی تھے۔ لہٰذا اگر آپؑ جنت میں رہتے تو یہ بدکار لوگ بھی آپؑ کی پشت میں جنت میں رہتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ آپؑ زمین پر جائیں اور اپنی اولاد میں سے نافرمان لوگوں کو زمین پر چھوڑ آئیں۔ شیطان تو ایک آدمؑ کا وجود جنت میں برداشت نہیں کر رہا تھا لیکن اب قیامت کے بعد اپنی بے شمار نیکوکار اولاد کو لیکر آدمؑ جنت میں دائمی زندگی کے ساتھ چلے جائیں گے اور شیطان لعین اپنے تکبر، حسد اور لوگوں کو گمراہ کرنے کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے جہنم میں جائے گا۔ لہٰذا حضرت آدمؑ ہی کامیاب ہوئے اور شیطان ناکام اور نامراد ٹھہرا۔[17]

اسی طرح سورۃ القصص کی آیت:

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ [18]

"آپؑ نے عرض کی میرے پروردگار! میں نے ظلم کیا اپنے آپ پر پس بخش دے مجھے تو اللہ تعالیٰ نے بخش دیا اسے بیشک وہی غفور رحیم ہے۔"

اس آیت کی تفسیر میں امام رازی نے منکرین عصمت انبیاء کی طرف سے اٹھائے گئے کئی سوالات کے جوابات دیے ہیں لیکن ان تمام جوابات پر علامہ سعیدی تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"میں کہتا ہوں: امام رازی نے پوری بحث کرنے اور قیل و قال کرنے کے بعد بالآخر یہ مان لیا کہ حضرت موسیٰؑ کا اس قبطی کو مکا مارنا گناہ تھا لیکن یہ گناہ اس وقت واقع ہوا جب وہ نبی نہیں تھے۔ لہٰذا اس سے یہ استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ نبی بھی گناہ کرتے ہیں۔ میرے نزدیک حضرت موسیٰؑ کو مارنا جس کے نتیجے میں وہ مر گیا گناہ نہیں تھا کیونکہ حضرت موسیٰؑ نے تادیباً اس کو مُکا مارا تھا تاکہ وہ ناجائز لڑائی سے باز آجائے اور مکا مارنا عادتاً قتل کا باعث

نہیں ہوتا۔ تو حضرت موسیٰؑ کا ارادہ اسے قتل کرنے کا نہیں تھا۔ بلکہ اس کو سرزنش کرنے کا تھا۔ لیکن ان کے مکا مارنے سے وہ قضائے الٰہی سے مر گیا۔ اس لیے حضرت موسیٰؑ پر یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ انہوں نے اس قبطی کو قتل کر دیا تھا۔"[19]

نتائج بحث

الغرض علامہ غلام رسول سعیدی نے تبیان الفرقان میں علم کلام کی رُو سے نبوت و رسالت کی تعریف، اس کی ضرورت، نبوت کی شرائط، بعثتِ انبیاء کی حکمتیں، انبیاء کی پہچان، عصمت انبیاء، انبیاء کی خطاؤں کے ذکر کی توجیہہ اور اس طرح کی دیگر ابحاث کے ذریعے نہایت احسن پیرائے میں سیر حاصل بحث کی ہے۔ بالخصوص وہ پہلے دیگر اکابرین علم کلام کی رائے کو ذکر کرتے ہیں اور پھر اپنا نقطہ نظر بیان کرتے ہوئے بات کو منطقی انجام تک پہنچاتے ہیں۔ جس سے ان کی فلسفیانہ سوچ اور دقت نظر کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف فقہہ میں مہارت رکھتے ہیں بلکہ علمِ کلام اور علم منطق پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں۔

حوالہ جات

1 ابن منظور، جمال الدین محمد بن مکرم، لسان العرب،، دار صادر، بیروت، 162:1
2 راغب اصفہانی، ابو القاسم الحسین بن محمد، (۵۰۲ھ)،، مفردات القرآن، اسلامی اکیڈمی لاہور، 465:2
3 سعیدی، غلام رسول، مولانا، مقالات سعیدی، فرید بک سٹال، لاہور، 2003ء: 51
4 النساء، 4: 165
5 النسفی، عمر بن محمد، ابو حفص، عقائد ماتریدیہ فی شرح العقائد النسفیہ، مترجم و شارح، علامہ ابو عاصم غلام حسین ماتریدی، اہل السنہ پبلیکیشنز، دینہ ضلع جہلم، 2009ء،:263
6 سعیدی، غلام رسول، مقالات سعیدی، : 51
7 سعیدی، غلام رسول، علامہ، تبیان القرآن، فرید بک سٹال لاہور، 2009ء، 1: 588
8 ایضا، 1: 589
9 ابن خلدون، عبد الرحمٰن، مقدمہ تاریخ ابن خلدون، مترجم، علامہ راغب رحمانی دہلوی، نفیس اکیڈمی لاہور، 2001ء، 1: 200
10 المومنون، 23 : 69
11 سعیدی، غلام رسول، مولانا، تبیان القرآن، 4: 436
12 ایضا، 2: 327
13 محدث دہلوی، شاہ عبد الحق، تکمیل الایمان، سبز واری پبلیکیشنز کراچی، 1999ء، :139
14 سعیدی، غلام رسول، مولانا، تبیان الفرقان، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، 2015ء، 1: 249
15 سعیدی، غلام رسول، مولانا، تبیان القرآن، 1: 249
16 ایضا، 1: 249
17 ایضا، 1: 248
18 القصص، 28 : 16
19 سعیدی، غلام رسول، مولانا، تبیان الفرقان، 4: 835